

شائق مظفر پوری کے لہجے کا سفر

شاعری کی تعریف مشکل بھی ہے اور متنازعہ بھی۔ ہر ناقد، ہر دانشور، ہر فلسفی اس کی وضاحت اپنے زاویہ نگاہ سے کرتا ہے۔ لیکن اس سے انکار کرنا کسی کے لیے بھی مشکل ہوگا کہ شاعری جذبات کا منظوم پیرایہ اظہار ہے۔ چونکہ جذبات کی نہ کوئی حد ہے نہ مخصوص نہج اسی لیے شاعری بھی پوری کائنات پر محیط ہے۔ اب یہ شاعر پر منحصر ہے کہ وہ اپنی وسعت فکر، علوے خیال، بلندی طبع، جدت فکر، گرمی احساس اور ندرت بیان سے اس کا کتنا احاطہ کر پاتا ہے۔ یہی شاعر کے قد کا پیمانہ ہے کہ اس کے افکار و خیالات نے اس کائنات میں پھیلے ہوئے لامحدود جذبوں میں سے کتنوں کو چھوا، کتنوں کو اپنی گرفت میں لیا، کتنوں پر حاوی ہوا، کتنوں کو اپنی ذات کا حصہ بنا لیا اور ان میں سے کتنے جذبوں کو کس حد تک لفظوں کا قالب عطا کیا۔ یہیں شاعر کی انفرادیت بھی سامنے آتی ہے۔ ایک ہی جذبہ، ایک ہی تجربہ، ایک ہی احساس، ایک ہی فکر ایک ہی واردات قلبی دو شاعروں کی زبان سے دو الگ الگ انداز سے شاعری میں ڈھلتی ہے۔ یہی کسی شاعر کا اپنا لہجہ کہلاتا ہے اور اسی سے اس کی پہچان قائم اور مستحکم ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہنے میں کوئی تاثر نہیں ہونا چاہئے کہ شاعری بالآخر لہجے کا سفر ہے۔ جو مسلسل جاری ہے اور اس سفر میں کسی کے مقام و منزل کا تعین اس کے لہجے کی بنیاد پر باسانی ہو سکتا ہے۔

شائق مظفر پوری کا شعری سفر کم و بیش پچاس برسوں سے جاری و ساری ہے۔ اس دوران

انہوں نے بہت سے مقامات طے کئے ہوں گے اور بہت سی منزلیں سر کی ہوں گی۔ بہت سے موڑ اور بہت سے پڑاؤ سے گزرے ہوں گے۔ کم حوصلہ مسافر اکثر کسی ٹھنڈی چھاؤں یا آرام دہ سائبان میں ٹھہر جاتے ہیں لیکن شائق مظفر پوری بڑی صاف گوئی، سادگی اور اعتماد سے کہتے ہیں:

گماں ہوتا ہے منزل پہ جا کر

کوئی منزل ہے اس منزل سے آگے

پہلی منزل تھی 'نیا سورج' (1983) اور دوسری منزل ہے 'سفرِ لہجے' کا (2003)۔ اس

منزل پر جب ہم جیسے ادب کے طالب علم ان کے کلام کی معرفت ان کے سفر میں شامل ہوتے ہیں تو ایک رنگارنگ جہان معنی نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ غزلیہ شاعری کے منفرد لب و لہجے والے اشعار بے اختیار متوجہ کرتے ہیں:

پتھروں کی خامشی کا جائزہ لیتا ہوں میں

لوٹ کر آتی ہے جب میری صدا میری طرف

اپنے اشکوں سے ہراک داغ تمنا دھولیں

ہم سے ہوگی نہ یہ پتھر کی زمیں نم شاید

ذہن یوں گم ہے جو ماضی کے کھنڈر میں شائق

دل نے کھولا ہے ابھی یاد کا البم شاید

بہت قریب تھا اس کا ضمیر مرجاتا مگر برا جو کہا تو برا وہ مان گیا

میں قربتوں کی ڈگر سے کہاں نہیں پہنچا

خرد کی جھیل میں اترا، جنوں کے پار گیا

چھڑنے کو بھی آتے ہیں شائق گلے ملنے کو تنہائی بہت ہے

بے حس انساں کیا سمجھائے گا حس کی بھٹی سلگانے میں

کتنی آنکھیں سوچ گئیں ہیں گیلی لکڑی سلگانے میں

یہ میرا ظرف کہ پیتا ہوں زہر خاموشی ضمیر ہے کہ الگ امتحان چاہتا ہے

لیٹی ہے کسی دھند میں وعدے کی عبادت

ہم یوں ہی نہ اے شامِ الم سوچ میں گم ہیں

یہ اشعار جوار و غزل گوئی کے کسی بھی انتخاب میں شامل ہو سکتے ہیں 'سفرِ لہجہ' کا سے
بیک نگاہ منتخب کیے گئے ہیں۔ واقعہ ہے کہ ہر غزل سے ایک دو شعر کا انتخاب باسانی کیا جاسکتا
ہے۔ ان کے اشعار کی ایک بڑی خوبی ان میں موجود عصری تناظر ہے۔ ایک پختہ عمر میں پہنچ کر
جہاں اکثر بزرگ شعرا اپنے کسی ایک خاص رنگ اور کچھ پسندیدہ (یا مقبول) موضوعات کے
ساتھ خود کو مستقل طور پر منسلک کر لیتے ہیں وہیں شائقِ مظفر پوری اپنے مواد، موضوعات اور لہجہ
کی توسیع کرتے رہتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں جن کی تازگی اور آہنگ اپنا لہجہ خود متعین
کرتے ہیں:

ڈال دے یا تو سلگتے ہوئے منظر پہ نقاب

چھین لے یا مری آنکھوں سے بصارت میری

چڑھی ہوئی ہے وقت کی کمان پھر کہیں سے سرخ ہوگا آسمان پھر

شائقِ اجر گیا ہے کوئی گلستاں ضرور صحرا میں آج کیوں ہے گلابوں کا سلسلہ

یوں تنہائی گھوم رہی ہے کمرے کے اندر باہر

سنائے کا پہرہ جیسے رات گئے بازاروں پر

چلوں تو ایک زمانہ نقوش پا چوے گروں تو کوئی نہ مجھ کو سنبھالنا چاہے

کہیں کہیں تو یہ لہجہ چونکا دیتا ہے:

ایسا نہ کہو سچ کا وہ معیار نہیں ہے کیا آج کا منصور سردار نہیں ہے

گردشِ وقت نے احسان کیا ہے مجھ پر اپنی حالت پہ نہ ہنستا تو میں ہنستا بھی نہیں

اور کہیں کہیں گہری سوچ میں شامل کر لیتا ہے:

دبجے کیا پھول بننے کی دعا ہو تبسم ہی کلی پر بار تو؟

جو لوگ شائق مظفر پوری کی شاعری کے پرانے قارئین اور سامعین ہیں یا جنہوں نے
'نیا سورج' سے 'سفر لہجے' تک کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے وہ غالباً میری بات سے اتفاق کریں
گے کہ ان کی شاعری میں ٹھہراؤ نہیں ہے بلکہ ایک ارتقا کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ شاید یہی وجہ
ہے کہ 'اڑان' کو ان کے لہجے میں ایک کلیدی لفظ کی حیثیت حاصل ہے:

عقاب لمحوں کے گھات میں ہیں، عجب نہیں کہ جھپٹ پڑیں وہ
پروں کو شائق دو ایسی جنبش تم اس سے اونچی اڑان لے لو
چند مثالوں سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی:

اگر تری ہوس کے بال و پر ابھی تھکے نہیں نگاہ آسمان پہ رکھ، اڑان بھر، اڑان بھر
شائق اڑان بھر تو ستاروں سے لے خراج یا فکر کا جہاز نہیں پر اتار دے
انہیں اڑان کے خطروں کا بھی علم ہے اور وہ خبردار بھی کرتے رہتے ہیں:
کہاں اڑان تھی لیکن کہاں دھیان گیا نظر زمین پہ ڈالی تو آسمان گیا
پرند وقت سے پہلے اڑان چاہتا ہے زمیں کا اہل نہیں آسمان چاہتا ہے
شائق مظفر پوری کے لہجے میں اگر اڑان کلیدی لفظ ہے تو آئینہ کی حیثیت ایک اسامی
لفظ کی ہے۔ اردو اور فارسی کی غزلیہ شاعری کا یہ مقبول ترین لفظ اپنی بے پناہ اور کثیر الجہت معنویت
کے ساتھ شائق مظفر پوری کے اشعار میں منعکس ہوتا ہے:

جانے کب کسی کے سنورنے کا ارادہ جاگے
اس لیے صورت آئینہ رہا ہوں میں بھی
وہ پتھر پھینکتے ہیں آئینے پر مگر شوق خود آرائی بہت ہے
مرے وجود کو رہنے دو سنگ کی صورت کسی نظر میں تو آئینہ ہوگی ذات مری
اپنی آنکھوں میں برا میں بھی نہیں، تو بھی نہیں
ہر نظر میں آئینہ میں بھی نہیں تو بھی نہیں